تہذیبوں کا تصادم اور فکرِ اقبال

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

صدرِ شعبہ اردو

جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

خلاصہ

علامہ اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ اقبال کی مفکرانہ سوچ، علم و تدبر اور اپنے پیغام کی تازگی سے نہ صرف امتِ مسلمہ بلکہ پوری دنیا میں اپنے کلام کی اہمیت کو واضح کیا۔ اقبال کی شاعری کے آفاقی لب و لہجے اور فکرِ اقبال کے انقلابی رنگ نے ایک عالم کو اقبال کا گرویدہ بنالیا۔ اقبال نے جس دور میں شعور کی آنکھ کھولی دراصل وہ دور غلامی کا دور تھا۔ ہر طرف مغربی حکومت مسلمانوں پر مسلط تھی۔ انگریز اپنی پوری سیاسی، تہذیبی، علمی و فکری اور جبری طاقت کے ساتھ مسلمانوں غالب تھے۔ اقبال نے جب ہندوستان کے یہ حالات دیکھے تو انھوں نے اپنی زندگی کا اولین مقصد اسلامی تعلیمات کی اساس اور اسلام کی نشاتِ ثانیہ پر استوار کیا۔ اقبال اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے تھے کہ احیائے اسلام محض مذہب کے احیا سے ممکن نہیں اس کے ساتھ تمدن کا احیا بھی ضروری ہے۔ قیامِ یورپ کے دوران اقبال نے جب مغربی تہذیب کا بغور مطالعہ کیا تو ان پر مغربی تہذیب کے محاسن کے ساتھ اس کے معائب بھی آشکار ہو گئے۔

اقبال نے نہ صرف مشرق و مغرب کے علوم کا غائر مطالعہ کیا بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم بھی حاصل کیے اور پھر ان کی فکری اساس نے مغربی تہذیب کے معائب و محاسن کو ان پر آشکار کر دیا۔ جس کا اندازہ ان کی تحریروں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اقبال نے تمام اقوامِ عالم کی تہذیبوں کا مطالعہ تو اسلامی تہذیب کو سب سے بہتر پایا۔ ان کے کلام میں مغربی تہذیب و تمدن کے محاسن سے زیادہ اس کے معائب جھلکتے ہیں۔ جن میں تکلف و تصنع، عقل و خرد پر انحصاری، قومی، نسلی، مذہبی اور سب سے اہم لسانی تعصب، مذہب سے دوری، آزادیٔ افکار، دہریت، وطنیت پرستی، اشتراکیت، سرمایہ پرستی، لادینیت اور آمریت وغیرہ شامل ہیں۔ ان مسائل کی وجہ سے اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن اور سیاست کے خلاف جدوجہد کی۔

اقبال کا بنیادی مقصد ملتِ اسلامیہ کو مغرب کی جامد و فاسد روایات سے کاٹ کر اسلام کی سنہری روایات سے مربوط کرنا تھا۔ وہ مسلمانوں میں خودی، عرفانِ نفس اور شعورِ ذات جیسی خوبیاں دیکھنا چاہتے تھے۔ جو کہ صرف اسلامی تعلیمات اور روایات پر عمل کر کے ممکن ہیں۔ اقبال اس بات سے آگاہ تھے کہ مغربی تہذیب صرف مادیت پرستی، عقل پرستی، لادینیت اور نیشنلزم کا درس دیتی ہے۔ جبکہ اسلامی تعلیم عرفانِ ذات اور خودی جیسی صفات ابھارتی ہے۔ اسلامی تہذیب کا مرکز و محور کلمہ توحید ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر انسان مردِ مومن اور انسانِ کامل کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب عالمگیر بھائی چارے کی تعلیم دیتی ہے اور لسانی، نسلی، علاقائی اور جغرافیائی امتیازات کو انسانی وحدت میں بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے۔ اقبال نے اپنی فکر میں اسلام کے انہی اصولوں کو بنیادی حیثیت دی۔ ہندو اور دیگر مذاہب میں ذات پات کی تفریق کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی جب کہ اسلام کی بنیادی اساس صرف تقویٰ پر استوار ہے۔

اقبال نے مختلف تہذیبوں کے بغور جائزے کے بعد ان کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا تفصیلی مطالعہ کیا اور پھر اسی پیغام کو اپنے کلام میں پیش کیا۔ جس کا مقصد مسلمانانِ ہند کی بھلائی تھی۔ اسی لیے اقبال نے دیگر تہذیبوں کی اندھی تقلید کی مخالفت کی۔ انھوں نے تمام مسلم و غیر مسلم مفکرین و فلسفیوں کو گہرائی سے پڑھا ان کے فلسفے اور نظریات کو پرکھا اور پھر اسلام کو تمام مذاہب اور تہذیبوں میں افضل پایا۔ ان کی شاعری کا مقصد تھا کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے ایک آزاد مسلم معاشرے کی بنیاد رکھیں۔ جس کا مرکز و محور کعبہ ہو جو ایمان و ایقان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر مضبوط عقیدہ رکھتا ہو۔ اقبال کی فکری اساس اور پیغام ہمیں اسی کا درس دیتی ہے۔

تہذیبوں کا تصادم اور فکرِ اقبال

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

صدرِ شعبہ اردو

علامہ اقبال ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ان کی مفکرانہ حیثیت میں بڑا تنوع ہے۔ اسی طرح ان کی شاعری بھی کثیر الابعاد ہے۔ علامہ کی شاعری کا آفاقی لب ولہجہ بہت سے لوگوں کے لیے باعثِ کشش ہے۔ اقبال نے جس دور میں شعور کی آنکھ کھولی تو ہر طرف مغربی حکمرانی کو مسلمانوں پر مسلط دیکھا۔ انگریز قوم اپنی پوری سیاسی، تہذیبی، علمی وفکری اور فوجی طاقت کے ساتھ ہندوستان پر قابض تھے۔

اقبال نے مشرق ومغرب کے علوم کے ساتھ اسلامی علوم بھی سیکھے۔ اس کے باوجود ان کی فکر کی اساس قرآن مجید اور حدیث کی تعلیمات پر تھی۔ علامہ کی زندگی کا خاص نصب العین اور اولین مقصد اسلام کی نشاتِ ثانیہ تھا۔ ان کے کلام میں مسلمانوں کی مغربی تہذیب سے مرعوبیت کو خودی کی موت کا سبب قرار دیا ہے۔ اقبال نے مغرب کی کورانہ تقلید کی مخالفت کی۔ وہ مغربی تہذیب کی لادینیت سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے۔ علامہ کا ایک اور بہت اہم پہلو یہ ہے کہ احیائے اسلام محض مذہب کے احیا سے ممکن نہیں۔ اس کے ساتھ تمدن کا احیا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اقبال تمدن کے بارے میں خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں اصلاحِ تمدن کا سوال دراصل ایک مذہبی سوال ہے کیوں کہ اسلامی تمدن اصل میں مذہب اسلام کی

عملی صورت کا نام ہے اور ہماری تمدنی اصل میں اسلام کی عملی صورت کا نام ہے اور ہماری تمدنی زندگی کا کوئی پہلو ایسا

نہیں جو اصولِ مذاہب سے جدا ہو سکتا ہو۔۔ اگر موجودہ حالاتِ زندگی پر غور وفکر کیا جائے تو جس طرح اس وقت

ہمیں تائید اصول مذہب لے لیے ایک نئے علمِ کلام کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قانونِ ااسلامی کی جدید تفسیر کے لیے

ایک بہت بڑے فقیہ کی ضرورت ہے۔ جس کے قوائے عقلیہ ومتخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلمات کی بنا پر

قانونِ اسلامی کو نہ صرف ایک پیرائے میں مرتب ومنظم کر سکے بلکہ تخیل کے زور سے اصول کو ایسی وسعت دے

سکے جو حال کے تمدنی تقاضوں کی تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو"۔(1)

اقبال کی تحریروں میں اسلامی اور مغربی تہذیب کے علاوہ دیگر مذاہب اور قومیتوں کے تہذیب و تمدن کا بھی ذکر ملتا ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں صرف اسلامی، مغربی اور ہندی تہذیبوں کے تصادم کے حوالے سے فکرِ اقبال کا جائزہ لیا جائے گا۔ علامہ اقبال کے سامنے قوم کی تعمیرِ نو کا اہم مسئلہ موجود تھا۔ اس غرض سے انھوں نے ایسے تمام عناصر کا سراغ لگانے کی کوشش کی جو ان کے نزدیک مسلمانوں کے قوائے حیات کے تعطل کا باعث بنے۔ اقبال نے لندن کے قیام کے دوران 1908ء کے ابتدائی حصے میں اسلامی تمدن پر چند لیکچر دیے اور جب وہ وطن واپس آگئے تو انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں نظموں کے علاوہ انگریزی میں اس موضوع پر تقریریں بھی کیں۔ اقبال وسیع المطالعہ شاعر تھے۔ انھوں نے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ تاریخ اسلام کے ساتھ ساتھ تاریخ عالم پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اسلام میں قومیت ایک نظریہ ہے، جس کی بنیاد علاقائی، جغرافیائی، لسانی تفریق پر نہیں۔ سر سید احمد خان کی وفات کے بعد بالخصوص علم و ثقافت کے میدان میں اقبال ہی تھے، جنھوں نے ایک خیال افروز قیادت فراہم کی۔

اقبال نے ترقی یافتہ مغربی معاشرے کو قریب سے دیکھا تھا۔ جس سے انھیں اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب و تمدن میں واضح تصادم اور حد درجہ مغائرت نظر آئی۔ انھیں مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک متاثر نہ کر سکی۔ اقبال کے بارے میں ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے ہوئے وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر

اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا، اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا، یہاں تک

کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری

وجود باقی ہی نہیں رہا"۔(2)

اقبال کا تعلق ایک دین دار گھرانے سے تھا۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم و تربیت اسلام کے مطابق کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سر میر حسن کی دینی تعلیم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ بھی گئے۔ یورپ کے بعض ملحد فلسفوں سے بھی درس لیتے رہے۔ اس کے باجود اقبال پر مغرب کا رنگ نہ چڑھ سکا۔ بقول اقبال:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

تمھاری تہذیب، اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا (3)

اقبال نے جب مغربی تہذیب و تمدن کو بنظرِ غائر دیکھا تو جہاں اس کے محاسن نظر آئے وہاں اس کے معائب بھی یکے بعد دیگرے ان پر آشکار ہونے لگے۔ چوں کہ معائب محاسن پر غالب تھے اور شر خیر پر حاوی تھا لہٰذا ان کے کلام میں مغربی تہذیب و تمدن کے محاسن سے زیادہ اس کے معائب ہی جھلکتے ہیں۔ ان معائب میں تکلف و تصنع، عقل و خرد پر مکمل انحصار، قومی، نسلی، مذہبی اور لسانی تعصب، مذہب سے دوری، آزادیِ افکار، دہریت، وطنیت و قومیت پرستی، اشتراکیت، سرمایہ پرستی، آمریت، مغربی جمہوریت وغیرہ شامل ہیں۔ ان مسائل کی وجہ سے اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن اور سیاست کے خلاف مسلسل جدوجہد کا آغاز کیا۔ درج ذیل ان کے کلام سے اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی

یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو

ہوس کے پنجہ خونین میں تیغِ کارزار ہے

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ

خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکرات (4)

اقبال نے مغرب کے تہذیبی و سیاسی استعمار کے خلاف مسلسل جدوجہد کی۔ جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ملتِ اسلامیہ اور خاص طور پر اسلامیانِ ہند کو مغرب کی جامد و فاسد روایات سے کاٹ کر اسلام کی سنہری روایاتِ صالحہ سے مربوط کیا جائے ۔اس کے لیے مسلمانوں کے درخشاں ماضی کے آئینے میں ان کے آبا کے کارہائے نمایاں کا عکس دکھایا گیا۔ علامہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے نوجوانوں کو عرفانِ نفس اور شعورِ ذات کا درس دیا جائے، خودی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ نوجوانوں کو علم کے حصول کے ساتھ ساتھ جہدِ مسلسل اور اسلام سے وابستگی کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی خاص نظموں میں "طلبہ علی گڑھ کالج کے نام"، "خطاب بہ نوجوانانِ اسلام"، "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام"، "جاوید کے نام" اور "عبد القادر کے نام" شامل ہیں۔ "شیخ عبد القادر کے نام" نظم بظاہر تو فردِ واحد کے لیے لکھی گئی لیکن فی الحقیقت شیخ عبد القادر کی معرفت نوجوانوں کو نصیحت کی گئی ہے۔ اقبال نوجوان نسل کو قرآن سے جوڑنا چاہتے تھے کیوں کہ اسی سے استحکامِ خودی اور دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو گی۔ اقبال کا شاہین بھی دراصل مسلمان نوجوان کے لیے استعارہ ہے۔ اقبال کے دل میں مسلمان نوجوانوں کے لیے ایک خاص تڑپ تھی۔ وہ انھیں با عمل دیکھنا چاہتے تھے۔ اس جذبے کا اظہار اکبر الہ کے نام 25 اکتوبر 1915ء کے ایک خط میں اس طرح کرتے ہیں:

"صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مقصود ہے۔ ہاں، یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو، مل جائے جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں"۔ (5)

اقبال بطور استاد بھی اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ اس لیے وہ نوجوان طلبا کی بہترین تعلیم و تربیت کے لیے فکر مند رہتے۔ علامہ جدید تعلیم کی خوبیوں خامیوں پر اپنے تجربات و مشاہدات کے حوالے سے شاعری میں اظہارِ خیال کرتے رہے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر

لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم

ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے صدا الا الٰہ الا اللہ (6)

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کو صرف مغربی تعلیم سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی بلکہ کسی صاحبِ نظر سے فیض یاب ہونا ضروری ہے۔ مغربی تعلیم مادیت، عقل پرستی اور لادینیت کا درس دیتی ہے۔ مذہب اور حکومت کو الگ کرنے سے خرابیاں پیدا ہوئیں، نئی نسل دہریت کا شکار ہوئی۔ علامہ اقبال کی تمام تر امیدیں نوجوان مسلمانوں کے ساتھ وابستہ تھیں، جو ذوقِ عمل سے مالا مال تھے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

"اکیسویں صدی کے آغاز میں جب متمدن اور ترقی یافتہ مغرب، اقبال کے الفاظ میں اک قمار خانہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔۔۔ اقبال کی شاعری میں اس نوجوان کی قوتِ عمل کے لیے ایک مہمیز ہے۔ اقبال دورِ حاضر کے مسلم نوجوانوں کو تسکین قلب کے لیے منفی زاویوں دینِ فطرت کا وہ صراطِ مستقیم دکھاتا ہے جو اسلامی انقلاب کی شاہراہ ہے"۔ (7)

جدید تعلیم انسان کو معاش کا لالچ دے کر روح، ذہن اور خودی سب کچھ لے لیتی ہے۔ اقبال کے نزدیک ایسی تعلیم سمِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں

جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جو (8)

اقبال نئی نسل کو اپنی تاریخ یاد کرنے کا درس بھی دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے روشن ماضی کی مثالیں غلامی میں پھنسے مسلمانوں کے لیے روشنی کا سرچشمہ ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کے سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ اقبال نے جو پاکستان کا خواب دیکھا تھا وہ دراصل احیائے اسلام کا خواب تھا۔ جمیل جالبی مزید لکھتے ہیں:

"اقبال نے مسلمانوں کے اندر سیاسی شعور کی بیداری پر پوری توجہ مرکوز کی۔ آزادی ہند سے متعلق کوئی معاملہ ہو تا مسلمانوں کا کوئی ملی مسئلہ وہ برابر کوشاں رہے کہ مسلمان مستقبل کے منظر نامے میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں"۔(9)

اقبال کے کارناموں پر سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ

اقبال نے وطنی قومیت اور قوم پرستی پر ایک شدید تنقید کی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے قوم پرستی، نیشنلزم اور وطنی قومیت پر وقت کی کاری ضرب لگائی۔ جس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو کانگرس میں جذب کرنے کے لیے جو تحریک چلی تھی اس سے مسلمان بچ گئے۔ اس سے اقبال نے مسلمانوں کے اندر یہ احساس بھی ابھارا کہ تمام دنیا میں ملتِ اسلامیہ ایک وحدت ہے۔

اقبال کی شاعری میں صرف اسلامی اور مغربی تہذیبوں کا ہی تضاد نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب پر بھی خیالات ملتے ہیں۔ اقبال نے ابتدائی دور میں دوستوں کے اصرار پر جن مشاعروں میں حصہ لیا ان میں داد دینے والوں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو، سکھ، پارسی اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی شامل ہوتے تھے۔ اقبال کا "ترانہ ہندی" ہندوؤں میں خوب مقبول ہوا۔ یہ ترانہ سب سے پہلے پنڈت دیا نرائن نگم کے رسالہ "زمانہ" (کانپور) میں شائع ہوا۔ اقبال کی چاہنے والوں میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب اور مختلف تہذیب و تمدن کے لوگ شامل تھے۔ مسز سروجنی نائیڈو جیسی شاعرہ بھی اقبال کی شاعری کی قدر دان تھی۔

کلامِ اقبال میں ہندوؤں کے بارے میں ہمیشہ فراغ دلانہ رویہ رہا۔ اقبال اور پنڈت جواہر لعل نہرو کا بھی تعلق رہتا۔ جواہر لعل نہرو اور اقبال کے خاندان کا تعلق کشمیر کے علاقے سے تھا۔ اقبال کے سر جوگندر سنگھ اور امراؤ سنگھ شیر گل سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ اقبال کے دل میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے لیے کوئی نفرت نہ تھی سر کشن پرت کے ساتھ اقبال کے بہت گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اقبال سے تعصب رکھنے والے غیر مسلم لوگ بھی تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے کبھی دل میں اپنے مخالفین کے لیے کوئی تنگی یا تعصب محسوس نہ کیا۔ وہ تو بنی نوعِ انسانیت کی خدمت کرنا چاہتے تھے بقول اقبال:

"اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں

پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ میں اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے میری غرض محض خدمت بنی نوع ہے اور کچھ

نہیں

اور میرے نزدیک عملی نقطہ خیال سے صرف اسلام ہی Humanitarian Ideal کو Achieve کرنے کا ایک

کار گر ذریعہ ہے۔ باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں۔ خوشنما ضرور ہیں مگر

ناقابلِ عمل"۔(11)

اقبال دنیائے اسلام کی رہنمائی کے لیے علما کرام کے کردار کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے خطوط، خطبات اور شاعری میں قارئین کی توجہ مبذول کرواتے ہیں مثلاً 18 مارچ 1926ء میں سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے

بعض علما اس کام کو باحسنِ وجوہ انجام دے سکتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں

دے سکتے، ہاں دفاعی اعتبار سے ان کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے"(12)

اقبال کی دور بین نگاہ مغربی تہذیب کی شکست وریخت دیکھ رہی تھی۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو اس کے نقائض اور کمزوریوں سے آگاہ کرتے ہیں اور اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کے سامان پیدا کر رہی ہے اسلامی تہذیب وثقافت کی اصل روح کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اقبال کی شاعری اور دیگر تحریروں میں جا بجا نظر آتا ہے۔ اسلامی تہذیب کا مرکز و محور کلمہ توحید ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت میں کل کائنات ہے۔ وہی ذات اسی نظام کو کامیابی سے چلا رہی ہے۔ اقبال کا مردِ مومن تصورِ توحید کی اصل حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اپنے رب کے خوف کے سوا کسی دوسری ذات کا خوف نہیں ہوتا۔ انسان تو اپنے رب کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا۔ اسلام صرف عبادات کا مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ تلاشِ حکمت کو خیر کثیر کر دانتا ہے۔

اسلام نے کبھی بھی علم کو کم تر نہیں سمجھا۔ اس مذہب میں عالم گیر بھائی چارے کی بنیاد ڈالی۔ لسانی، نسلی، علاقائی اور جغرافیائی امتیازات کو انسانی وحدت میں بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اقبال نے بھی اپنی فکر میں اسلام کے انھی اصولوں کو اساسی حیثیت دی۔ ہندو معاشرے میں ذات پات کی تفریق کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کے برعکس اسلام تقویٰ کے سوا تمام تفرقات کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔

اقبال نے مختلف تہذیبوں کا بغور جائزہ لیا۔ ان کے منفی اور مثبت پہلوں کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بھی اقبال کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ اقبال کی شخصیت اور فکر وفلسفہ کو بہتر جانتے تھے۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم:

"نطشے، فشتے، برگساں اور ولیم جیمز کے نظریاتِ ماہیتِ وجود بہت کچھ وہی ہیں جو اقبال کی تعلیم میں بھی ملتے ہیں۔

اس سے بعض نقادوں نے یہ بھی نتیجہ نکالا کہ اقبال ان کا مقلد تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اقبال نے ان مفکرین سے بہت

کچھ حاصل کیا لیکن یہ اقبال کے کمال پر کوئی دھبا نہیں۔ اقبال ان سب سے کسی ایک پہلو میں متفق ہے تو کسی

دوسرے اساسی پہلو میں شدید اختلافِ رائے بھی رکھتا ہے۔ اقبال کا ایک مخصوص اندازِ فکر اور نظریہ حیات تھا۔

اس نخل کی پرورش اس نے مختلف عناصر سے کی۔ ان میں سے کچھ عناصر خاص قرآنی تعلیم کے ہیں، کچھ رومی کی

صوفیانہ تاویل اور روحانی تجربے کے، کچھ مغرب کے ان مفکرین کے افکار کے، جن کا اقبال ہم نوا ہے یا جو اقبال کے

ہم صفیر ہیں"۔(13)

ڈاکٹر سید عبد اللہ بھی اپنی تحریروں میں اقبال کی مغربی تہذیب کی مخالفت پر لوگوں کے ردِ عمل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ نے اپنی نظم ونثر میں فرنگ پر جو تنقید کی ہے اس کے محرکات واسباب کو سمجھنے میں مختلف قارئین ومصنفین

نے اپنے اپنے میلانات وعواطف کے زیرِ اثر مختلف خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اہلِ مغرب کا ردِ عمل بالعموم جھنجھلاہٹ

کا ہے۔ قدرتی طور سے ان میں اکثر اقبال کی تنقیدِ مغرب کو غیر منصفانہ خیال کرتے ہیں۔ مثلاً ڈکشن نے

اسرارِ خودی، پر جو تنقید کی ہے اس میں خاصی برہمی پائی جاتی ہے۔ برصغیر کے تعلیم یافتہ طبقے میں ہندووں

کے ایک خاص گروہ کا لہجہ شکایتی ہے، جن کی نمائندگی سچدانند سنہا کرتے ہیں"(14)

الغرض علامہ اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا تصور اس لیے دیا تھا کہ وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل صرف الگ اسلامی ریاست میں ممکن ہے۔ ہندو ایک متعصب قوم ہے وہ کبھی مسلمانوں کی بھلائی نہیں چاہیں گے۔ انھیں جب بھی موقع ملا وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے۔ اسی خیال کے پیشِ نظر مسلم ریاست کا تصور پیش کیا گیا۔ اقبال دیگر قوموں کی اندھی تقلید کی مخالفت کرتے تھے۔ انھوں نے چند بڑے غیر مسلم فلسفیوں اور مفکرین کو گہرائی سے پڑھا اور اسلام کو تمام مذاہب سے افضل پایا۔

اقبال کے احساسات ایک پرجوش مسلمان کے احساسات ہیں۔ اسلام کے تعلق سے وہ ایسی اسلامی حکومت بنانا چاہتے تھے جس میں مسلمانوں کے لیے قومیت اور وطنیت کی رکاوٹیں حائل نہ ہو سکیں۔ ان کی شاعری کا مقصد ایک ایسے آزاد مسلم معاشرے کا قیام تھا جس کا مرکز کعبہ ہو اور جو ایمان وایقان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر مضبوط عقیدہ رکھتا ہو۔ ان کی تمام تحریریں اسی کا درس دیتی ہیں بقول اقبال:

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں

نفسِ سوختہ شام و سحر تازہ کریں

حوالہ جات

1):(جاوید اقبال،ڈاکٹر،مقالاتِ جاوید،مرتبین،محمد سہیل عمر،طاہر حمید تنولی،اقبال اکادمی،لاہور،2011ء،ص53)

2):(رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،اقبالیات: تفہیم و تجزیہ،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،2010ء،ص64)

3):(محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیاتِ اقبال،اردو،اقبال اکادمی لاہور،بزمِ اقبال،لاہور،(مشترکہ پیش کش)،1994ء،ص167،373)

4):(ایضاً ص692،323،305)

5):(عطاء اللہ،شیخ،مرتب،اقبال نامہ،مجموعہ مکاتیبِ اقبال،اقبال اکادمی لاہور،2016،ص382)

6):(محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیاتِ اقبال،اردو،ص377،599،237)

7):(مضمون "جوانانِ ملت" از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،مشمولہ،دائرہ معارف اقبال،جلد دوم،شعبہ اقبالیات پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،اگست 2010، ص104)

8):(محمد اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیاتِ اقبال،اردو،ص678)

9):(الاقربا،سہ ماہی اسلام آباد،جولائی ستمبر 2003،ص9)

10):(ضیابار،گورنمنٹ کالج سرگودھا،اقبال نمبر،نومبر 1977،ص29)

11):(غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،اقبال کا ذہنی ارتقا،مکتبہ خیابانِ ادب،لاہور،جنوری 1978،ص121)

12):(ایضاً ص131)

13):(عبدالحکیم،ڈاکٹر خلیفہ،مقالاتِ حکیم،جلد دوم،اقبالیات،مرتب شاہد حسین رزاقی،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور،1969،ص121-122)

14):(عبداللہ،ڈاکٹر سید،اعجازِ اقبال،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،2004ء،ص286)